الحاج ابراہیم یوسف باوا

دعوت دین وایمان

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۔ [۲]

(اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو اور فاسد خیالات میں پڑکر شیطان کے قدم بہ قدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے)

یہاں بھی ایمان والوں کو حکم دیا جاتا ہے کہ دودھ اور دھی والی زندگی سے بچو اور پورے پورے طور پر اسلام میں داخل ہوجاؤ۔ معارف القرآن سے تفسیر ملاحظہ ہو۔

خلاصۂ تفسیر

اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو (یہ نہیں کہ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو) اور (ایسے خیالات میں پڑکر) شیطان کے قدم بقدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے (کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور فی الحقیقت بالکل دین کے خلاف) پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو واضح دلیلیں (احکام و شرائع اسلام کی) پہنچ چکی ہیں، (پھر بھی صراطِ مستقیم سے) لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ (بڑے) زبردست ہیں (سخت سزا دیں گے اور کچھ دنوں تک سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ) حکمت والے (بھی) ہیں (کہ کسی حکمت و مصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کردیتے ہیں معلوم ہوتا ہے (یہ لوگ (جو کہ بعد وضوح دلائل حق کے کج راہی اختیار کرتے ہیں) صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس (سزا دینے کے لیے) آدیں اور سارا قصہ ہی ختم ہوجاوے (یعنی کیا اس وقت امر حق قبول کریں گے جس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہوگا) اور یہ سارے (جزا و سزا کے) مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف رجوع کیے جاویں گے (کوئی دوسرا صاحبِ اختیار نہ ہوگا، سو ایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام بجز خرابی کے کیا ہوسکتا ہے)

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً سلم بالکسر و بالفتح دو معنی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ایک صلح دوسرا اسلام، اس جگہ جمہور صحابہ و تابعین کے نزدیک اسلام مراد ہے (ابن کثیر) لفظ کافۃ جمیعاً اور عامۃً کے معنی میں آتا ہے، یہ لفظ اس جگہ ترکیب میں حال واقع ہوا ہے، جس میں دو احتمال ہیں، ایک یہ کہ ضمیر اُدْخُلُوْا کا حال قرار دیا جائے، دوسرے یہ کہ سلم بمعنی اسلام کا حال ہو، پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ تم پورے پورے اسلام میں داخل ہوجاؤ، یعنی تمہارے ہاتھ پاؤں، آنکھ، کان، دل اور دماغ سب کا سب دائرہ اسلام و اطاعتِ الٰہیہ کے اندر داخل ہونا چاہیئے، ایسا نہ ہو کہ ہاتھ پاؤں سے تو احکام اسلامیہ بجالا رہے ہوں مگر دل و دماغ اس پر مطمئن نہیں، یا دل دماغ سے تو اس پر مطمئن ہو مگر ہاتھ پاؤں اور اعضاء و جوارح

کا عمل اس سے باہر ہے

اور دوسری صورت میں ترجمہ یہ ہوگا کہ تم داخل ہو جاؤ مکمل اور پورے اسلام میں، یعنی ایسا نہ ہو کہ اسلام کے بعض احکام کو تو قبول کرو بعض میں پس وپیش رہے، اور چونکہ اسلام نام ہے اس مکمل نظامِ حیات کا جو قرآن وسنت میں بیان ہوا ہے خواہ اس کا تعلق عقائد وعبادات سے ہو، یا معاملات ومعاشرت سے، حکومت وسیاست سے اس کا تعلق ہو یا تجارت وصنعت وغیرہ سے، اسلام کا جو مکمل نظامِ حیات ہے تم سب اس پورے نظام میں داخل ہو جاؤ۔

خلاصہ دونوں صورتوں کا قریب قریب یہی ہے کہ احکامِ اسلام خواہ وہ کسی شعبۂ زندگی سے متعلق ہوں اور اعضاء ظاہری سے متعلق ہوں یا قلب اور باطن سے ان کا تعلق ہو، جب تک ان تمام احکام کو سچے دل سے قبول نہ کروگے مسلمان کہلانے کے مستحق نہیں ہوگے۔

اس آیت کا شانِ نزول جو اوپر بیان ہوا ہے اس کا بھی حاصل یہی ہے کہ صرف اسلام ہی کی تعلیمات تمہارا مطمعِ نظر ہونا چاہیے، اس کو پورا پورا اختیار کرلو تو وہ تمہیں سارے مذاہب وملل سے بے نیاز کردے گا

تنبیہ: اس میں اُن لوگوں کے لیے بڑی تنبیہ ہے جنہوں نے اسلام کو صرف مسجد اور عبادات کے ساتھ مخصوص کررکھا ہے، معاملات اور معاشرت کے احکام کو گویا دین کا جزء ہی نہیں سمجھتے، اصطلاحی دینداروں میں یہ غفلت عام ہے، حقوق ومعاملات اور خصوصاً حقوقِ معاشرت سے بالکل بیگانہ ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان احکام کو وہ اسلام کے احکام ہی یقین نہیں کرتے، نہ اُن کے معلوم کرنے یا سیکھنے کا اہتمام کرتے ہیں نہ اُن پر عمل کرنے کا (نعوذ باللہ) کم از کم مختصر رسالہ آدابِ معاشرت حضرت سیدی حکیم الامت رح کا ہر مسلمان مرد وعورت کو ضرور پڑھ لینا چاہیئے۔ (معارف القرآن ج (۱) ص ۴۹۱)

ف ۵: حضرت مولانا سید ابوالحسن ندوی مدظلہ کے فرمان کا مفہوم ہے کہ یہاں لفظ سِلْم آیا ہے الاسلام نہیں ہے۔ اسلام کے معنیٰ اور تقاضا چند لفظوں کا بولنا اور پورا کرنا ہے اور سِلْم کا مفہوم ہے کہ ۲۴ گھنٹے کی زندگی مکمل طور پر احکامِ شریعت کے تابع کرکے گزارے (جس طرح عام مسلمان اور مؤمن میں فرق ہے اسی طرح اسلام اور سِلْم میں فرق ہے)۔ ہر وقت یہ استحضار رہے کہ اس وقت مجھ سے میرا پروردگار کونسی زندگی کا مطالبہ کررہا ہے اس کو شریعت کی روشنی میں دیکھ کر عمل کرے جب تو "ایمان والا" اور "مؤمن" کہنے کا مستحق ہوگا ورنہ صرف مسلمان نام کا لیبل لگا دینے سے تقاضا پورا نہیں ہوسکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ہم کو صرف انسان (اشرف المخلوقات) نہیں بنایا بلکہ اسلام وایمان جیسی دولتِ عظمیٰ بخشی۔ اسی پر بھی بس نہیں کیا بلکہ بلا مانگے اور بلا مشقت ومجاہدہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمّت

ہیں پیدا کیا جس کی تمنا بڑے بڑے انبیاء کرتے تھے۔ اُمت محمدیہ کے مقام وعظمت کا کیا پوچھنا[1] ؟ اُس کی خوش نصیبی پر جتنا شکرانہ ادا کیا جائے اور ناز کیا جائے کم ہے لیکن یہ شکرانہ اور یہ ناز کا حق جب ہی ادا ہوگا جب انسان مکمل طور پر رب چاہی زندگی گزارے اور رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس طریقوں کو زندگی کے ہر پہلو میں اپنائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ۲۳/ نبوی محنت کا حاصل یہ ہے کہ انسان اللہ کے رنگ میں مکمل طور پر رنگ جائے پھر اس نورانی و روحانی زندگی کو اُمت میں پھیلائے۔ کُنتُم خَیرَ اُمَّۃٍ (الآیۃ) سے یہی مراد ہے کہ "تم بہترین اُمت ہو کہ لوگوں کی نفع رسائی کے لیے نکالے گئے ہو (کیونکہ) تم لوگ نیک کام (کرنے کے بعد اور اپنی رعیت کو نیکی کی طرف لگاکر لوگوں کو نیک کام) کا حکم کرتے ہو اور بُرے کام سے منع کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو...... ہر مسلمان سے اللہ تعالیٰ ایسی زندگی کا مطالبہ کرتا ہے اور یہ دنیا اُس کے لیے آزمائش اور امتحان کی جگہ مقرر کی ہے، یہی ہے مقصد انسان کی تخلیق کا۔

یہ اُمت کوتوال بناکر بھیجی گئی ہے

حضرت مولانا مفتی زین العابدین صاحب نے امریکہ کے ایک تبلیغی اجتماع میں خطاب فرماتے ہوئے بیان کیا کہ، ایک جگہ بڑی چوری ہوئی تو ایس پی کلکٹر ڈی ایم وغیرہ سب تحقیقات کے لیے پہونچ گئے۔ اتنے میں کوتوال نے کلکٹر سے کہا، حضور! میں نے چوری نہیں کی۔ کلکٹر نے غصّے میں جواب دیا کہ بھلا! تو بھی چوری کرسکتا ہے؟ یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے؟ تم تو لوگوں کی حفاظت۔ جان مال آبرو کے تحفّظ کے لیے مقرر کیے جاتے ہو، (تم نے یہ سوچا ہی کیوں کہ تم نے چوری کی ہے؟) تم بھلا یہ کرسکتے ہو؟ میرا سوال تم سے تو یہ ہے کہ تمھاری موجودگی میں، تمھارے ہوتے ہوئے یہ چوری کیسے ہوئی؟ اس پر

"حضرت مفتی صاحب نے فرمایا کہ اسی طرح یہ اُمت اقوام عالم کے لیے، اپنے ملک کیلئے اپنے علاقہ کے لیے، اپنے محلّہ کے لیے، اپنے گھر کے لیے کوتوال بناکر بھیجی گئی ہے۔ اس کے یہ کہہ دینے سے کام نہیں چلے گا کہ اے اللہ! میں نے تو نماز نہیں چھوڑی تھی (بلکہ میں نے نماز باجماعت اور تکبیرِ اُولیٰ سے پڑھی تھی) اُس سے تو یہ سوال ہوگا کہ تمھارے گھر میں تمھارے محلّہ میں، تمھارے پڑوس میں، تمھارے اطراف میں بے نمازی کیوں تھے؟ تم نے اُن کے سلسلے میں کیا فکر کی؟ کیا محنت کی؟"

(ریاض الجنۃ ۵-۱۲-۲۶) ۱۲-

---

[1] دیکھیے محترم باوا صاحب کے مضامین "اُمت محمدیہ کی فضیلت اور "مؤمن کا مقام وعظمت"

ف : اللہ تعالیٰ بھلا کرے حضرت مفتی کا ! اللہ تعالیٰ کا کرم و فضل ہوا کہ گذشتہ کل ہی میں نے ایسے کلمات تحریر کیے تھے جس کا عنوان ہے "مبلغین کی ذمہ داریاں" اور آج صبح ہی ہم نے وہ ریاض الجنہ جونپور والوں پر روانہ کیا ہے ۔ آج کا حاجی غازی اور مبلغ اپنے لیے تو سب کچھ کرتا ہے لیکن خود اُس کے گھر والے دین سے دور ہوتے جا رہے ہیں ۔ ایسے غازی جب اپنے گھروں کو بنا نہ سکیں ، اُن سے کیا اُمیدیں کی جا سکتی ہیں کہ اُمت کے کوتاہوں کو نمازی بنائے ، خود اپنے گریبان میں منہ ڈال کر دیکھ لے کہ نماز کے علاوہ اور بھی تو کئی فرائض ہیں ، کیا وہ اُن کی ادائیگی کر رہا ہے ؟

حضرت مولانا مفتی رشید احمد لدھیانوی مدظلہ العالی اپنی وصایا میں لکھتے ہیں کہ ۔

"یہ خوب سمجھ لیں کہ اسلام یا اللہ تعالیٰ کی عبادت صرف کلمہ طیبہ پڑھ لینے یا نماز روزہ وغیرہ چند عبادات ادا کر لینے کا نام نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ پوری زندگی شریعت کے مطابق ہو اور بندہ اپنی سب خواہشات کو اللہ تعالیٰ کی رضا میں فناء کر دے ۔"

(وصیت نامہ ص ۷۲)

حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے غصہ کی حالت میں فرمایا ۔

"اللہ تعالیٰ کی قسم ! میں عہد نبوت کی کوئی بات اب لوگوں میں نہیں دیکھتا ، سوائے اس کے کہ نمازوں کے لیے ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں اور بس ! بقیہ امور میں بہت کچھ تبدل اور تغیر آ چکا ہے ۔" (التنور)

معلوم ہوا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمیں ایک عظیم مقصد کے لیے پیدا فرمایا ہے ۔ جتنی بڑی عظمت والی یہ اُمت ہے اُتنے ہی اس کے تقاضے اور ذمہ داریاں ہیں ۔ بروزِ قیامت معیارِ ذمہ داری پر جُحت اور بازپرس ہو گی ۔ آج جو لوگ اقتدار کے نشے میں اپنی ذمہ داریوں کا حق ادا نہیں کرتے وہ گویا اپنے پورے معاشرے اور قوم و ملت کے پاؤں پر کلہاڑے مار رہے ہیں جس کا آج کل ہر جگہ مشاہدہ ہو رہا ہے اور لوگ شکایتیں کر رہے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین کی صحیح سمجھ اور فہم عطا فرماوے آمین ۔

ہماری حالتِ زار چونکہ ہر شخص نے اپنی تخلیق کا کچھ اور ہی تصوّر اور مقصد بنا رکھا ہے اور اُس کے مطابق من مانی زندگی گزارتا ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے بھی ہم کو ہماری حالت پر چھوڑ دیا ہے کہ جاؤ ! اور ٹھوکریں کھاؤ ، ذلیل و رسوا ہو ، تڑپتے رہو ، تمہارا کوئی پرسانِ حال نہ ہو گا ۔ نہ جان و مال محفوظ اور نہ عزت ۔ جیسے ہمارے اعمال ہوں گے ویسے ہی ہمارے اوپر حالات مسلط کیے جائیں گے ۔ آج بھی اگر ہم اپنی تخلیق کا مقصد سمجھ کر گردن جھکا دیں اور رب چاہی زندگی گزارنے پر آ جائیں تو اللہ تعالیٰ

(بقیہ صد ۵۴ پر)